فقہ اسلامی اور رومن لاز-ایک موازنہ

مستشرقین کا فقہی کتابوں کے مسائل اور رومی قوانین کے کچھ مسائل میں یکسانیت ثابت کرنا اسی طرح مسائل کی ترتیب میں مماثلت قرار دینا اور اس کی وجہ سے فقہ اسلامی کو رومی قانون سے ماخوذ قرار دینا علمی اعتبار سے نہایت غلط ہے کیونکہ دو مختلف قوانین کے اندر اگر تھوڑی سی مشابہت پائی جائے تو کیا یہ اس بات کی دلیل ہے کہ ایک قانون دوسرے قانون کی محرف اور بگڑی ہوئی شکل ہے، قوانین عالم میں چند اصول ایسے لازماً ہوتے ہیں جو ہر قانون کا جزو ہوتے ہیں، ان لازمی اجزاء پر یہ دعویٰ کرنا کہ اس قانون کو سامنے رکھ کر بنایا گیا ہے، نری جہالت اور عناد محض ہے اور مستشرقین کا فقہ اسلامی اور رومی قوانین کی ترتیب میں مشابہت کا دعویٰ تو یہ ان کا دعویٰ ہی دعویٰ ہے، جس کے حقائق پرزور تردید کر رہے ہیں۔

:فقہ اسلامی اور رومن لاز-ایک موازنہ

:☆عرف وعادت

پیغمبر اسلام ﷺ کی ولادت باسعادت سے تقریباً نصف صدی پہلے ۵۲۷ء میں روم کے شہنشاہ جسٹینین نے جو روم کے منتشر، مروج اور منسوخ ومعطل، باضابطہ موضوعہ قوانین اور عوام میں جاریہ اور مروجہ افعال کو ''مجموعہ قوانین ملک'' کے نام سے مرتب کیا اور ''رسم ورواج'' کو بھی قانون کے ساتویں ماٰخذ کی حیثیت سے قبول کیا۔ ممکن ہے بعض حضرات کو قانون کے اس ماخذ میں اور فقہ اسلامی میں عرف وعادت کا اعتبار کئے جانے میں یکسانیت نظر آئے لیکن اپنی روح کے اعتبار سے ان دونوں میں زمین وآسمان کا فرق ہے۔ ''رومن لا'' چونکہ انسانی مرضیات وخواہشات پر ہی مبنی ہے، اس لیے اس قانون میں رسم ورواج کو خاصی اہمیت حاصل ہونا بلکہ بعض اوقات موضوعہ قانون پر فائق ہو جانا عین مطابقِ فطرت ہے۔
اسلام کا تصور یہ ہے کہ مسلمان جو زندگی کے تمام مسائل میں کتاب وسنت کی ہدایات پر عمل پیرا ہوں گے ان میں جو کچھ رواج پائے گا، ضروری ہے کے کہ وہ کتاب وسنت کے مغائر نہ ہو، اس لیے مسلمانوں کے ایسے رواجات جن کے متعلق کوئی ممانعت یا ایجابی حکم موجود نہ ہو، مشروع اور جائز تصور کئے جائیں گے اور غالباً ایسا اس لیے ہے کہ خود رسول اللہ ﷺ نے ایسے امور کو مباح بتایا ہے اور ''عفو'' کا نام دیا ہے۔ ''وماسکت عنہ فھو مماعفاعنہ''۔
اسی طرح قرآن مجید نے بھی عرف کے معتبر ہونے کی طرف اشارہ کیا ہے، قرآن میں ایک سے زیادہ مقامات پر ''معروف'' پر عمل اور معروف کی دعوت کی طرف متوجہ کیا گیا ہے، امام رازیؒ کے بقول جو باتیں عقل کو بہتر محسوس ہوں اور اصحاب عقل کی نگاہ میں ناپسندیدہ نہ ہوں وہ سب معروف ہیں (شرح السیر الکبیر:۱/۱۹۸)
پس عرف کا اعتبار رومی قانون سے تاثر کا نتیجہ نہیں ہے بلکہ کتاب وسنت کے مقرر کئے ہوئے اصول کی روشنی میں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اگر کوئی مروج عمل کتاب وسنت کے خلاف ہو تو فقہاء کے یہاں قابل قبول نہیں: ترجمہ: عادت حکم ہوگی، جب کہ اس کے خلاف صراحت موجود نہ ہو اگر اس کے خلاف نص کی صراحت موجود ہو تو اس کا اعتبار نہ ہوگا۔ (قانونِ روما: ۲۲۔۲۵)

:☆ابوابِ قانون کی تعیین وترتیب

ماخذ قانون کے بعد ایک قانون دوسرے قانون کا اثر ابواب قانون کی تعیین وترتیب میں قبول کرتا ہے اس پہلو سے جب کوئی شخص فقہ اسلامی اور رومن لا کا جائزہ لے گا تو دونوں میں اسی درجہ تفاوت نظر آئے گا جتنا کہ خود ماٰخذ ومصادر میں، رومن لا میں قوانین کے چار حصے کئے گئے ہیں، اوّل قانون جو رومی نسل کے شہریوں کے لیے مخصوص تھا، دوسرے قانونِ اقوام، جو بین ملکی اور بین قومی تعلقات سے متعلق تھے، تیسرے قانونِ قدرت، یہ عام اصولِ انصاف تھے،

جس کے تحت روم کے غیر رومی نسل کے باشندوں کے معاملات طے کئے جاتے تھے، چوتھے قانونِ حکام عدالتی، یہ قاضیوں کے وہ عدالتی تشریحات تھیں، (جن سے بعض نئے قوانین کی تشکیل عمل میں آئی تھی۔ (قانونِ روما: ۲۲۔۲۵

: فقہ اسلامی کے ابواب اس سے یکسر مختلف ہیں اور اس سے بہت زیادہ جامع، ہمارے یہاں ابواب فقہیہ کی ترتیب اس طرح ہے

عبادات: یعنی وہ افعال جو براہِ راست بندے اور خدا کے درمیان ہیں، مثلاً ارکانِ اربعہ۔(۱)

مناکحات: وہ احکام جو شخصی زندگی سے متعلق ہیں، نکاح، طلاق، رضاعت، نفقہ، میراث وغیرہ۔(۲)

معاملات: وہ احکام جو دو آدمیوں کے درمیان مالی لین دین وغیرہ سے متعلق ہیں، خرید وفروحت، اجارہ، شرکت وغیرہ۔(۳)

اجتماعی احکام: اس میں امارت وقضا، جہاد، بین ملکی اور بین قومی تعلقات وغیرہ کی بحثیں آتی ہیں اور عام طور پر ان کو ذکر کیا جاتا ہے۔(۴)

عقوبات: جرائم اور سزاؤں کا ذکر خواہ یہ سزائیں شریعت کی طرف سے مقرر ہوں یا نہ ہوں، کوئی بھی صاحب انصاف معمولی غور وفکر سے اندازہ کر سکتا ہے(۵) کہ ان دونوں قوانین کے مزاج میں کس قدر فرق اور بون بعید ہے۔

:☆مختلف احکام کا تقابل

اب ایک سرسری نظر فقہ اسلامی اور رومی قانون پر ڈال کر اس امر کا اندازہ کرنا چاہئے کہ احکام کی تفصیلات میں یہ کس حد تک ایک دوسرے سے قریب ہیں؟

: اس پہلو سے بھی ان دونوں مکاتب قانون میں خاصا فرق نظر آتا ہے۔ مثلا

: ☆غلامی

اسلام نے بھی ابتداً غلامی کو ایک قانونی عمل تسلیم کیا تھا لیکن پیدائشی طور پر آزاد شخص کے غلام ہونے کی صورت اس کے علاوہ کوئی نہ تھی کہ وہ جنگ میں گرفتار کیا جائے اور یہ غلامی کو تسلیم کرنا بھی کچھ اس وجہ سے نہ تھا کہ رومی قانون اس کا قائل تھا بلکہ اس وقت اقوام عالم کے نظامِ جنگ کی اساس اسی پر تھی، اس لیے عملی طور پر اس کو ماننے اور بعض اصلاحات کے ساتھ جاری رکھنے کے سوا چارہ نہ تھا۔ لیکن رومی قانون میں جنگ میں گرفتاری کے علاوہ مزید سات اسباب ہیں جن کی وجہ سے آزاد انسان کو غلام بنایا جاسکتا ہے۔

کوئی شخص سازشی طور پر اپنے آپ کو غلام ظاہر کر کے فروخت کر دے۔(۲) آزاد شدہ غلام آقاء سابق سے احسان فراموشی کا سلوک کرے۔(۳) مردم (۱) شماری یا فوجی خدمت سے گریز کرے۔(۴) مقروض ہو اور قرض ادا نہ کرے۔(۵) چور چوری کرتا ہوا پکڑا جائے۔(۶) آزاد عورت کسی غلام سے اس کے آقا (کی رضامندی کے بغیر مباشرت کرے۔ (قانون روما: ۲۲۔۲۵

:☆بنیادی حقوق

اسلام نے شہری اور بنیادی حقوق میں نسل وخاندان کی کوئی تفریق نہیں کی ہے لیکن رومی قانون حق رائے دہی، حدماتِ عامہ کے حصول کے حق، حقِ تجارت، یہاں تک کہ حقِ ازدواج، جس سے بچوں پر اختیارِ پدری حاصل ہوتا ہے' سے بھی غیر رومی نسل کے لوگوں کو محروم رکھتا ہے (قانونِ روما: ۴۸) بعد میں شاہ جسٹینن کے زمانہ سے مملکت روما کے تمام باشندوں کو ''رومی'' تسلیم کر لیا گیا۔

:☆آزادی وخود مختاری

اسلامی فقہ ہر بالغ شخص کو سوائے اس کے کہ وہ عقل کے اعتبار سے متوازن نہ ہو اپنے بارے میں مکمل خود اختیاری قرار دیتا ہے لیکن رومی قانون میں ''مورثِ (اکبر'' کا تصور ہے، مثلاً اگر دادا زندہ ہے تو وہ اپنے صاحب اولاد فرزندوں پر بھی اسی طرح ولایت رکھتا ہے جس طرح کہ کسی نابالغ بچہ پر۔ (قانونِ روما: ۵۰ اسلام میں باپ دادا کو بھی ولایت حاصل ہے مگر وہ ایک بہت محدود نوعیت کی ہے اور اس کے لیے کسی تصرف کی اجازت نہیں جو زیر ولایت بچوں کے مفاد میں

نہ ہو، حتی کہ ولی کو ان کے مال پر مالکانہ حقوق بھی حاصل نہیں ہیں، اس کے بر خلاف قانون روما میں باپ کے اختیارات بہت وسیع ہیں یہاں تک کہ اسے اپنی اولاد کو بیچنے اور قتل کرنے تک کی اجازت تھی اور جس طرح آقا اپنے غلام کو آزاد کر سکتا تھا اسی طرح باپ کے اپنی اولاد کو آزاد کرنے کا تصور تھا۔ (قانونِ روما: ۵۴۔۵۶)

متفرق:

1. اسلام میں ثبوتِ نسب نکاح، یا اپنی باندی سے وطی یا وطی بالشبہ، انہیں تین ذرائع سے ہو سکتا ہے، زنا کی وجہ سے نسب کا ثبوت نہیں ہوتا لیکن رومی قانون میں ازواج، ماں باپ کے ذریعہ بھی نسب کو صحیح تسلیم کیا جاتا ہے (قانونِ روما: ۵۰) اسلام میں رشتۂ ولدیت ایک فطری اور طبعی رشتہ ہے، یہ کوئی عقد اور معاملہ نہیں ہے، جو زبان کے بول کے ذریعہ پیدا ہو جائے، رومی قانون ''تبنیت'' کو تسلیم کرتا ہے ''تبنیت'' کے ذریعہ مصنوعی طور پر جس شخص سے اس کا رشتہ فرزندی قائم ہوا ہے وہ اس کے خاندان میں داخل ہو جاتا ہے اور اس کا اپنے اصل خاندان سے رشتہ ختم ہو جاتا ہے۔ (قانونِ روما: ۵۱۔۵۳)
2. قانون ازدواج میں بھی ان دونوں کے درمیان خاصا تفاوت پایا جاتا ہے، قانون روما میں اصولی طور پر عورت شادی کے بعد اپنے خاندان سے کٹ جاتی ہے اور شوہر کے خاندان میں ضم ہو جاتی ہے اور شوہر کے بزرگ خاندان کے لیے وہ محض ایک شے کے درجہ میں ہوتی ہے (قانونِ روما: ۵۷) اسلام کا تصور یہ ہے کہ نکاح محض ایک معاہدہ ہے، نکاح کے بعد بھی عورت کا اپنے خاندان سے تعلق باقی ہے، وہ اپنے خاندان سے میراث اور مختلف حقوق پانے کی حقدار ہوتی ہے اور شادی کے بعد بھی تمام انسانی اور بنیادی حقوق اسے حاصل ہوتے ہیں وہ شے اور سامان کے درجہ میں نہیں ہوتی۔
3. قانونِ روما شادی شدہ شخص اور غلام کے لیے نکاح کو جائز نہیں رکھتا، نہ صغر سنی کے نکاح کو جائز قرار دیتا ہے (قانونِ روما: ۵۸،۵۷) اسلام نے ان تمام صورتوں میں نکاح کی اجازت دی ہے۔
4. نکاح کے سلسلے میں قانون روما میں مذہبی رسوم کے ساتھ نکاح کے علاوہ ایک عرصہ تک ناجائز طریقہ پر مرد و عورت ایک دوسرے کے ساتھ رہیں اور میاں بیوی کا سا سلوک کریں تو اس سے بھی نکاح منعقد ہو جاتا ہے (قانونِ روما: ۵۹،۵۸) اسلام اس طرح کے بے ضابطہ نکاح اور بے شرمی پر مبنی نکاح کا تصور موجود نہیں۔
5. اسلام میں نکاح میں عورتوں کی طرف سے جہیز کا کوئی تصور نہیں بلکہ مرد کو مہر ادا کرنا ہے لیکن رومی قانون اس کے برعکس جہیز کا تصور پیش کرتا ہے اور اکثر اوقات شوہر کو اس کا حقدار قرار دیتا ہے، مہر کا کوئی تصور قانونِ روما میں نہیں (قانونِ روما: ۹۱)
6. قانونِ روما کی رو سے عورتیں کبھی بھی اپنے نفس کی مالک نہیں ہوتیں بلکہ ولی کی ولایت اس پر دائمی رہتی ہے (قانونِ روما: ۹۱) اسلام میں بالغ ہونے کے بعد عورت کو اپنے نفس اور مال پر خود ولایت حاصل ہوتی ہے۔
7. اسلام کا تصور یہ ہے کہ مالِ مرہون سے استفادہ جائز نہیں لیکن قانونِ روما کے تحت مالِ مرہون سے نہ صرف استفادہ جائز ہے بلکہ مالِ مرہون میں قرض خواہ کو حقِ تصرف بھی حاصل ہے (قانونِ روما: ۹۸)
8. قانونِ روما میں وصیت کے لیے کوئی حد مقرر نہیں، جب کہ اسلام میں تہائی کی تحدید کرتا ہے، قانونِ روما کے تحت متبنی، آزاد کردہ فرزند، لڑکی وراثت کی حقدار نہیں۔ (دیکھئے، قانونِ روما: ۱۲۶۔۱۳۳)
9. قانونِ روما سود کو جائز قرار دیتا ہے یہاں تک کہ امین امانت کی ادائیگی میں تاخیر کرے تو اس سے بھی سود لیا جا سکتا ہے (قانونِ روما: ۱۴۱) اسلام میں سود شدید ترین خبائث میں سے ہے۔

یہ محض چند مثالیں بطورِ نمونہ کے ذکر کی گئی ہیں؛ ورنہ اگر مختلف شعبہ حیات کا تفصیل کے ساتھ تقابلی مطالعہ کیا جائے تو اندازہ ہو گا کہ فقہ اسلامی اور قانونِ روما

کے درمیان اس قدر جوہری اختلاف ہیں کہ کوئی صاحب بصیرت اس طرح کا دعویٰ نہیں کر سکتا کہ فقہ اسلامی "رومن لا" سے ماخوذ یا مستفاد ہے، ممکن ہے بعض قوانین میں مطابقت پائی جائے؛ لیکن یہ بات پیشِ نظر رہنی چاہیے کہ دنیا کا ہر قانون انسانی ضروریات کی تکمیل اور مقتضیات فطرت کو پورا کرنے کے لیے ہے، انسان کی ضرورت اور اس کے کچھ تقاضے بالکل یکساں ہوا کرتے ہیں، اس لیے کچھ احکام ایسے ہیں کہ دنیا کے ہر قانون میں ایک طرح سے تسلیم کئے جاتے ہیں، یا ان میں معمولی تفاوت پایا جاتا ہے، مثلاً نکاح کی اجازت، خرید و فروخت، اجارہ، ہبہ، عاریت، وصیت، قرض وغیرہ کی گنجائش، انسانی قتل اور ہتک عزت، سرقہ و غصب، خیانت وغیرہ کی ممانعت، اس طرح کی چیزوں میں مختلف قوانین کے درمیان یکسانیت ایک دوسرے سے استفادہ کی دلیل نہیں بلکہ انسانی ضروریات اور تقاضوں میں ایک حد تک یکسانیت کا ثبوت ہے، یہ بات بھی ملحوظ رہے کہ قانونِ معاملات کا بڑا تعلق انسانی تجربات سے ہے اور یہ مصلحت انسان کے دوش بدوش چلتا ہے، ایسے احکام میں مطابقت کا پایا جانا ایک بالکل فطری اور طبعی امر ہے۔

: خلاصہ

واقعہ یہ ہے کہ فقہ اسلامی اور قانون روما کے درمیان فرق اور اختلاف اتنا گہرا اور اتنا بڑا ہے کہ ان میں سے ایک کو دوسرے سے ماخوذ یا متاثر قرار دینا بنیادی طور پر اور بالبداہت غلط ہے۔ فقہ اسلامی ہمہ گیر تبدیلی اور انسانی زندگی کی بھرپور تبدیلی کی نقیب ہے۔ اس کے برعکس قانون روما سابقہ طرز زندگی ہی کی ذرا بہتر تنظیم کا داعی ہے۔ فقہ اسلامی میں آزادانہ قانون سازی کا دائرہ بہت محدود ہے۔ یہاں بنیادی قانونی تصورات قرآن اور سنت رسول ﷺ میں طے کر دیئے گئے ہیں۔ اب بقیہ قانون سازی رہتی دنیا تک کے لیے انہی حدود کے اندر رہ کر ہوگی جو قرآن و سنت نے طے کر دی ہیں۔ دوسری طرف قانون روما میں آزادانہ قانون سازی کا دائرہ لامحدود ہے۔ فقہ اسلامی میں قانون سازی تمام تر فقہاء اور مجتہدین کے آزادانہ اجتہاد کے نتیجے میں وجود میں آئی ہے۔ جبکہ قانون روما قریب قریب سارے کا سارا بادشاہ کا عطا کردہ ہے یا بادشاہوں کے مقرر کردہ ماہرین کا طے کردہ ہے۔ مزید براں فقہ اسلامی نے بہت سے ایسے نئے تصورات دنیا کو دیئے جن سے رومن لاء تو کیا معنی، دور جدید کے بہت سے ترقی یافتہ قوانین بھی عرصہ دراز سے ناواقف رہے۔ اصول قانون، قانون ضابطہ، تعبیر قانون کے اصول، قانون بین الاقوام، دستور، قانون وغیرہ وہ شعبہ ہائے قانون ہیں جن سے قانون روما بہت بعد میں متعارف ہوا۔ وہاں نہ کوئی وقف کا تصور تھا نہ شفعہ کا۔ بلکہ آج بھی فقہ اسلامی کے بہت سے ایسے شعبے موجود ہیں جن کا مماثل یا نظیر مغربی قوانین میں موجود نہیں۔ مثال کے طور پر علم فروق اور علم اشباہ و نظائر کا نام لیا جاسکتا ہے۔

پھر اسلامی فقہ اور انسان کے خود ساختہ قوانین کے درمیان دو ایسے جوہری فرق ہیں، جن کا قدم قدم پر مشاہدہ کیا جاسکتا ہے اور جن سے فقہ اسلامی کا امتیاز اور بہ مقابلہ دوسرے قوانین کے اس کی برتری واضح ہوتی ہے۔

1. یہ کہ فقہ اسلامی میں ایک خاص طرح کی پائیداری اور ثبات ہے، دوام و استحکام اور بقاو قرار ہے انسان کے وضعی قوانین میں ایک مسلسل تغیرات اور بے ثباتی ہے، کسی بھی قانون میں جہاں جمود ایک نقص ہے وہیں بے ثباتی اور استقامت و پائیداری سے محرومی بھی کچھ کم درجہ کا عیب نہیں، اس کی وجہ ظاہر ہے، فقہ اسلامی کا سرچشمہ وہ نصوص ہیں جو قیامت تک ہر طرح کے تغیرات و اصلاح سے ماوراء ہیں اور وضعی قوانین کی اساس انسانی خیالات و جذبات ہیں، جو ہر آن و زمان تغیر و تبدیلی سے دوچار ہیں۔

2. فقہ اسلامی حقیقی نافعیت اور مآل و انجام کی سعادت پر مبنی ہے، وضعی قوانین میں حقیقی نفع و ضرر سے زیادہ خواہشات و جذبات کی رعایت ہے، شراب صحتِ انسانی کے لیے مضر ہے، نشہ جنون کا ایک درجہ ہے، خنزیر کا گوشت مختلف طبعی بیماریوں اور اخلاقی مفاسد کی جڑ ہے، برہنگی علاوہ عصمت و عفت کے مذہبی تصور کے اخلاقی اقدار کے بھی منافی اور امن و سکون کا بھی غارت گر ہے، اسلام نے ان مضرتوں پر نظر رکھی ہے اور ان امور کے بارے میں اس کی مخالفت ناقابل تبدیل ہے مگر وضعی قوانین ان تمام نقصانات کو تسلیم کرنے کے باوجود ہوائے نفسانی اور ہوسِ انسانی کے سامنے سپر انداز ہے۔ اس فکر و مزاج نے اس

کو اعتدال و توازن سے دور، عدل و انصاف سے محروم اور اصول فطرت سے ناآہنگ بھی کر دیا ہے اور موم کی طرح قوت و صلابت سے خالی بھی، جیسے روز توڑا جائے اور نئی نئی صورتیں دی جائیں.